معیشتِ اسلام ـــــ فکر و نظام

جناب عبد المجیب صاحب

(۲)

۱۔ اسلامی ریاست چونکہ ایک فلاحی مملکت قرار دی گئی ہے اس لیے اس کا معاشی نظام رفاہِ عامہ کے اجتماعی کاموں کے علاوہ لوگوں کی کفالتِ عامہ کا ضامن بھی ہے۔ کفالتِ عامہ سے مراد یہ ہے کہ دارالاسلام میں بسنے والے ہر شخص کے لیے بنیادی ضروریاتِ زندگی یعنی غذا، لباس، رہائش، علاج اور تعلیم کا اہتمام کیا جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس کا کوئی سرپرست نہ ہو، اس کا سرپرست اللہ اور اس کا رسول ہے۔ (ترمذی، ابواب الفرائض۔ باب ماجاء فی میراث المال)۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ جس فرد کا مملکت میں کوئی کفیل نہ ہو اس کی کفالت کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہوتی ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے عائد کردہ اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے معرضِ وجود میں آتی ہے، اور اس معاملے میں مسلم اور غیر مسلم رعایا کی کوئی تفریق نہیں۔ سماجی تحفظ کے لیے یہ اصولِ کفالتِ عامہ اتنا وسیع اور ہمہ گیر ہے کہ کسی دوسرے معاشی نظام میں اس کی کوئی نظیر نہ مل سکے گی۔ جب اور جس وقت بھی کوئی فرد زندگی کی بنیادی ضروریات سے محروم ہوتا ہے حکومت اسے پورا کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اب اگر اسلام کا معاشی نظام یہ ضمانت دیتا ہے کہ کوئی مزدور یا کسان مفلس ہو یا کوئی عام باشندہ بے روزگار ہو جائے تو اس کی بنیادی ضروریاتِ زندگی پورا کرنے کے لیے سرکاری خزانہ حاضر ہو گا تو آخر ایسے معاشرہ میں معاشی خوف و یاس اور کرب و بے چینی کا کہاں گزر ہو سکے گا۔ ایسے معاشرہ میں تو ہر طرف امن و امان، چین و سکون اور اطمینانِ قلب و ذہن ہی جاری و ساری ہو گا۔ اِس کفالتِ عامہ کی طرح

رفاہِ عام بھی اسلامی حکومت کا فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ملک کی عام معاشی ترقی، رفاعی امور، ذرائع حمل و نقل، ذرائع آبپاشی، برقی انتظامات، زرعی و صنعتی وسائل اور جان و مال اور انصاف کی نگہداشت حکومت پر عائد کر دی گئی ہے۔ یہ ہے وہ فلاحی مملکت کا نقشہ جو اسلام کا معاشی نظام فراہم کرتا ہے اور جو اجتماعی فلاح و بہبود کی ساری کوششوں میں حرفِ آخر کا درجہ رکھتا ہے۔

(۸) مجموعی فلاح و بہبود کی انجام دہی کے لیے اسلامی نظامِ معیشت نظمِ بیت المال قائم کرتا ہے۔ بیت المال کے ذرائع آمدنی حسبِ ذیل ہیں:

زکوٰۃ۔ مسلمانوں کے جمع شدہ سرمایہ، زیورات، اموال تجارت اور مویشیوں وغیرہ پر سالانہ فریضہ۔

جزیہ۔ غیر مسلموں پر سالانہ ٹیکس۔

عُشر۔ مسلمانوں کی زرعی اراضی پر مالگذاری۔

خراج۔ غیر مسلموں کی زرعی اراضی پر مالگذاری۔

وقف۔ مسلمانوں کی وقف کردہ منقولہ و غیر منقولہ جائداد اور اس کی آمدنی

عشور۔ اموالِ تجارت کی درآمد پر محصول۔

کراء الارض۔ سرکاری اراضی کی آمدن۔

خُمس۔ معدنیات، دفینوں اور مالِ غنیمت سے آمدنی۔

فئے۔ جنگی دشمن کا چھوڑا ہوا مال اور زمین۔

اموال فاضلہ۔ متفرق آمدنی مثلاً لاوارث کی دولت و جائداد یا غیر معمولی حالتِ قحط و سیلاب میں دولتمندوں سے حاصل کردہ اموال۔

ضرائب۔ عام ملکی ضروریات کے لیے مختلف محصولات۔

مالی سزائیں۔ مختلف جرائم و بدعنوانیوں کا خمیازہ بشکل جرمانہ اور ضبطیٔ مال وغیرہ۔

سرکاری آمدنی کے لیے بھرپور ذرائع و وسائل کا یہ وہ عظیم الشان نظمِ بیت المال ہے جس کے ذریعہ ملک میں کفالتِ عامہ اور رفاہِ عام کا مکمل بندوبست کر دیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ بیت المال کا یہ جامع

انتظامِ ملت میں تقسیمِ دولت کے معاملے میں پائے جانے والے تفاوت کو کم سے کم کرتا ہے۔ سماجی تحفظ و بیمہ کی دنیا میں یہ وہ پہلی اور جامع سکیم ہے جس سے بہتر کوئی اور اسکیم بنانا انسانی دماغ کے بس کی بات معلوم نہیں ہوتی۔ اس عظیم اسکیم کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ معاشرہ میں افراطِ زر کا بھیانک مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔

(۹) اسلامی ریاست کے شعبۂ معیشت کا ایک اہم وظیفہ یہ ہے کہ وہ سوسائٹی کے مختلف طبقوں کے معاشی استحصال کو ختم کر کے معیشت کو عدل و انصاف کی بنیادوں پر استوار کرے۔ اس غرض کے لیے کسان، مزدور، راہ رنجی، تجارتی و صنعتی ملازمین اور دیگر محنت کاروں کے جملہ شرائطِ ملازمت، اوقاتِ کار، طریقِ کار اور معاوضوں کی جانچ پڑتال نہایت ضروری ہے۔ اگر زمیندار اور مالکان کا طرزِ عمل معقول و مناسب معلوم نہ ہو تو حکومت کو ان کے معاملات میں مداخلت کرنے کا پورا پورا اختیار حاصل ہے۔ جہاں حکومت کا مجموعی نظامِ ترغیب و تلقین مؤثر ثابت نہ ہو سکے وہاں ضابطہ بندی اور قانون سازی سے مظلوموں کی حق رسانی کی جانی چاہیے۔ اور یہی کچھ اسلام کے معاشی نظام کے ضروری وظائف کا ایک نہایت اہم حصہ ہے۔ لہٰذا اسلام معاشی میدان میں بالادستوں سے زیردستوں کو ان کے منصفانہ حقوق دلوانے کی پوری پوری ضمانت دیتا ہے۔ یہاں تک کہ غیر معمولی حالات میں اسلامی ریاست مفادِ عامہ کے مدِنظر اُجرتوں، کرایوں، لگان، قیمتوں اور نفع کی شرحیں بھی مقرر کر سکتی ہے۔ بنظرِ غائر دیکھا جائے تو کمزوروں کی معاشی بدحالی اور اقتصادی تنگدستی کو دور کرنے کے لیے اس قسم کے سارے اقدامات معقول، عادلانہ اور جائز قرار پائیں گے۔ ایک اور بات یہ ہے کہ اسلامی معاشیات صرف انصاف پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ احسان کا بھی حکم دیتی ہے جو بہت آگے کی منزل ہے۔ ایسی منزل جہاں حقدار کو اس کے حق سے بہت زیادہ ملتا ہے۔

(۱۰) اسلام کے معاشی نظام کے اب تک بیان کردہ نورہنما اصولوں سے ایک حقیقت جو قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے یہ ہے کہ اسلامی ریاست کی معاشی ذمہ داریاں بڑی متنوع اور ہمہ گیر ہیں۔ لہٰذا ان وسیع معاشی ذمہ داریوں کو پورا کرنے اور ملی مفادِ عامہ کے پیشِ نظر غیر معمولی نوعیت کے املاک

اور معاشی ذرائع و وسائل کو مشترکہ قومی تحویل میں لیا جا سکتا ہے۔ حکومتِ اسلامی پر اجتماعی مصالح کے تحفظ، شر و فساد کے ازالہ اور دفاعی قوت تعمیر کرنے کی جو بنیادی ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں ان کا منطقی تقاضا یہ ہے کہ بعض صنعتوں کو حکومت اپنے ہاتھ میں رکھے مگر اس کا انتظام و انصرام عوام کے با اعتماد نمائندوں کے مشوروں سے کرے۔ دفاعی صنعتوں کے علاوہ بھی ایسی صنعتیں ہوتی ہیں جن کی نجی تنظیم ناممکن ہوتی ہے یعض دوسری صنعتیں ہیں کہ جن کا نجی ہاتھوں میں رہنا بہ حیثیت مجموعی معاشرہ کے لیے نقصان دہ بن جاتا ہے۔ پھر رفاہِ عامہ کی کچھ صنعتیں اور ادارے تو سرے سے نفع آور ہی نہیں ہوتے ہیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود اسلام کے نظامِ معیشت میں مشترکہ قومی ملکیت کا دائرہ ہمیشہ اور ہر حال میں محدود ہی رہے گا۔ قومی تحویل میں لیے جانے والی تمام ضروری اور کلیدی صنعتوں کا اصل مقصود نفع کمانا نہ ہوگا بلکہ خدمتِ ملت و مفاد عامہ ہوگا۔ نفع آوری کی حیثیت محض ثانوی ہوگی۔ ان حقائق کی روشنی میں اگر جائزہ لیا جائے تو خالص اجتماعی مفاد کے پیشِ نظر مندرجۂ ذیل املاک اور صنعتوں کو اجتماعی ملکیت میں لیا جا سکتا ہے:۔

(الف) مرکزی بینکنگ

(ب) اسلحہ سازی اور دفاعی ضروریات کی دیگر صنعتیں۔

(ج) ایٹمی توانائی کے استعمال کے ادارے۔

(د) اسٹیل اور بحری و فضائی جہازوں اور ریل گاڑیوں کے کارخانے۔

(ہ) آبی و برقی استعمال کی مختلف صنعتیں۔ مثلاً بند اور بجلی گھر

(و) ڈاک و تار کے محکمے۔

(ز) بری، بحری اور فضائی ذرائع حمل و نقل۔

(ح) سمندر، دریا، چشمے اور جھیلیں۔

(ط) پہاڑ، جنگلات، چراگاہیں اور غیر مملوکہ زمینیں۔

(ی) معدنیاتی کانیں اور قدرتی خزانے مثلاً ہیرے، جواہرات، سونا، چاندی، لوہا، کوئلہ،

پارہ، تانبہ، سیسہ، نمک اور تیل اور گیس کے ذخائر وغیرہ۔

(ک) عوام کی رضاکارانہ وقف کردہ جائداد۔

معیشتِ اسلام میں قومی ملکیت کا تصور اور اس کی نوعیت بالکل منفرد ہے۔ اس میں محدود اجتماعی ملکیت کی تو گنجائش بلاشبہ ہے مگر کلی قومی ملکیت کا کوئی مقام نہیں۔ اسلام کا اقتصادی نظام جس طرح بے لگام انفرادی ملکیت کو گوارا نہیں کرتا اسی طرح وہ بے قید قومی ملکیت کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ علمی دلائل کے علاوہ تجربہ و مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ بے لگام انفرادی ملکیت کا نتیجہ معاشی افراتفری ہوا کرتی ہے اور مکمل قومی ملکیت ایک طاقتور آمریت پر منتج ہوتی ہے۔ اسی لیے اسلام نے "انفرادیت" اور "اجتماعیت" کے ایک حسین امتزاج سے "جامعیت" کا اصول اپنایا ہے جس کی رُو سے افراد اور اجتماع دونوں ہی بیک وقت اپنے اپنے دائروں میں برسرِ عمل رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے نہیں ٹکراتے۔ لہٰذا اس طرح کی معقول و متوازن اور محدود اجتماعی ملکیت سماجی زندگی کے لیے نقصان دہ ہونے کے بجائے ممد و معاون ثابت ہوگی۔ ان تصریحات کی روشنی میں اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام کے معاشی نظام نے جس قسم کے قومی ملکیت کے اصول کو سامنے رکھا ہے وہ دو وجوہ کی بنا پر قطعی ضرر رساں نہ ہو سکے گا۔

اولاً یہ کہ ملک کی ساری قومی دولت حکومت کے تصرف میں نہیں آئے گی لہٰذا سرکاری ارتکازِ دولت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اس طرح کُلیت پسند اقتدار کا قیام ممکن نہ ہوگا۔

ثانیاً یہ کہ اسلامی ریاست کا نظامِ حکومت شورائی اور جمہوری ہونے کی وجہ سے اس کے معاشی حلقہ میں آمریت یا نوکر شاہی جنم نہ لے سکے گی اور عوام میں بے بسی و بے چارگی راہ نہ پا سکے گی۔

اِس طرح اسلام کے نظامِ معیشت میں محدود قومی ملکیت کا اصول تمام معاشی بُرائیوں سے پاک اور بھلائیوں سے لبریز ہے۔

(۱۱) اسلام کے معاشی نظام کا گیارھواں رہنما اصول یہ ہے کہ ملک میں ہر انفرادی اور اجتماعی معاشی جد و جہد اخلاقی اقدار و ضوابط کی تابع رکھی جائے۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ اخلاقی نشوونما

کے بغیر ملت کی معاشی و مادی ترقی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے بلکہ زیادہ صحیح بات تو یہ ہے کہ اخلاق اور سیرت و کردار کی تعمیر کے بغیر مادی و معاشی فلاح و بہبود کا حصول ناممکن ہے۔ معاشرہ میں ایسی اخلاقی و روحانی فضا پیدا کرنا لازمی ہے جس کی مدد سے فلاح ملت کے اغراض و مقاصد رضا کارانہ عمل ہی سے حاصل ہو جائیں۔ اسلامی نظام قانون و قوت کا سہارا لینے سے پہلے لوگوں کے لیے تعلیم و تربیت، ترغیب و تلقین، ہدایت و رہنمائی اور اخلاقی دباؤ کا انتظام کرتا ہے تاکہ عوام ملکی فلاح و بہبود کی خاطر از خود غلط کاموں سے اجتناب کریں۔ اس طریقِ کار کی خوبی یہ ہے کہ اس سے ایک طرف تو افراد کے اخلاقی و روحانی ارتقاء میں مدد ملتی ہے اور دوسری طرف لوگوں کی انفرادی آزادیاں بھی مجروح نہیں ہونے پاتیں۔ خوشدلی سے کیے جانے والے کاموں میں جو لطف اور حُسن ہے وہ جبر کے استعمال میں ہرگز نہیں ہے۔ لہٰذا قانون و قوت کا استعمال بدرجۂ آخر ہونا عین قرینِ مصلحت ہے۔ مختصراً یہ کہ اسلامی نظام میں مادی و معاشی ترقی اور اخلاقی و روحانی نشو و نما کا ہر وقت اور ہر مرحلہ پر چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے اور اسی انضمام کی بدولت یہ نظام فلاحِ ملت کی بہترین صورت گری کرتا ہے مثال کے طور پر تجارتی لین دین میں دیانت، ناپ تول میں انصاف، قول و فعل میں مطابقت اور کاروباری عہد و پیمان کی پابندی اسلام کے بیک وقت اخلاقی اصول بھی ہیں اور معاشی قوانین بھی۔

(۱۲) اسلام کے معاشی نظام کا بارھواں اور آخری رہنما اصول اس کے نظام احتساب و محاسبہ سے متعلق ہے۔ اگر اوپر بیان کردہ معاشی اصولوں کا منطقی تسلسل نگاہ میں رہے تو اسلام کے نظام احتساب و محاسبہ کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ ہو جائے گا۔ کوئی نظام خواہ کتنے ہی خوبصورت اور قابلِ عمل اصولوں پر مبنی ہو، اگر اس میں تعمیری تنقید اور اصلاحی گرفت کے ہمہ وقتی انتظام کا خیال نہ رکھا جائے تو اس کی عالیشان عمارت کسی لمحہ بھی مٹی کے ڈھیر میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ اسلامی نظام معیشت میں دوسرے نظاموں کے برعکس ایسا کوئی جھول نہیں ملتا۔ اسلام نے عوام اور حکومت کو ایک دوسرے کی معاشی سرگرمیوں اور ذمہ داریوں پر نگران و محافظ مقرر کیا ہے۔ عوام اور حکومت کو ایک دوسرے کی تمام معاشی کارروائیوں پر احتساب کرنے کا پورا پورا اختیار حاصل ہے تاکہ انفرادی و اجتماعی

معاملات و اعمال کو شریعت کی مقرر کردہ حدود کا پابند رکھا جائے۔ غلطی کرنا انسانی فطرت ہے مگر غلطیوں کی اصلاح نہ کرنا قومی خودکشی کے مترادف ہے۔ سماجی اصلاح کے لیے احتساب و محاسبہ کا پیہم عمل ہی وہ مؤثر طریقہ ہے جس کے ذریعہ عوامی فلاح و بہبود اور معاشی ترقی کی ضمانت حاصل ہوتی ہے۔ حقیقت پسندی سے دیکھا جائے تو یہ بات بآسانی واضح ہو سکتی ہے کہ اسلام کا احتسابی پروگرام نہایت موزوں اور متوازن ہے جس کی نظیر بھی کوئی دوسرا معاشی نظام پیش کرنے سے عاجز ہے۔ اسلام کے نظام احتساب و محاسبہ کو حرکت دینے اور زندہ رکھنے میں عوام کی معتمد مجلسِ شوریٰ (پارلیمنٹ) کا کردار سب سے زیادہ مؤثر اور سب سے زیادہ اہم ہوگا۔ اسلامی نظامِ معیشت کا یہ احتسابی اصول وہ آخری ستون ہے کہ جس کی مدد سے ملک کی پوری معاشی عمارت پایۂ تکمیل تک پہنچتی ہے اور اس کے بعد پھر کسی شگاف کا خطرہ باقی نہیں رہتا۔ اس مضبوط و مستحکم عمارت کے مکینوں میں نہ حکومتی ادارہ آمرِ مطلق بننے کا رجحان رکھتا ہے اور نہ عوام میں سے کوئی اپنی من مانی حرکت کرنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ وہ سب کے سب صلح پسند مکین کی حیثیت سے محبت و اخوت کے ساتھ امن و آشتی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

یہ ہے اسلام کے انقلابی معاشی نظام کا وہ نقشہ جس پر نہ صرف یہ کہ تمام مکاتب فکر کا اتفاق ہے بلکہ جو ایک معیاری نظامِ معیشت کی کسوٹی پر بھی پرکھنے کے بعد پورا اترتا ہے۔ جیسا کہ اوپر واضح کیا جا چکا ہے اسلامی نظامِ معیشت کا مجموعی مزاج اور اس کا ایک ایک قاعدہ اپنی جگہ بالکل منفرد و ممتاز ہے۔ اس میں فرد کی معاشی آزادی بھی ہے اور اس پر ضروری پابندی بھی، معقول انفرادیت بھی ہے اور مناسب اجتماعیت بھی، اخلاقی تربیت بھی ہے اور مادی خوشحالی بھی، سیرت و کردار کی بھی ہے اور اقتصادی ترقی بھی۔ اس لاجواب میانہ روی کے باعث اسلام کا معاشی نظام نہ تو سرمایہ داری سے کوئی مشابہت و مماثلت رکھتا ہے اور نہ سوشلزم سے کوئی مناسبت و مطابقت۔ اسلام نے تو اشتراکیت اور سرمایہ داری کے دونوں ٹیڑھے راستوں سے ہٹ کر ایک بالکل اچھوتا، جداگانہ اور افراط و تفریط سے پاک تیسرا راستہ تجویز کیا ہے جو ہر علمی و عملی حیثیت سے صراطِ مستقیم ہی ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ انسانی معاشرہ کے لیے اس سے بہتر معاشی نظام بنا!

مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔

چونکہ اسلام کے مثالی نظامِ معیشت میں انسان کی ہر معاشی ضرورت کے پورا ہونے کا اہتمام در معاشرے کے ہر معاشی مسئلہ کا تسلی بخش حل موجود ہے اس لیے اس نظام کے مجموعی مزاج اور اس کے رہنما اصولوں کی روشنی میں تمام وقتی و جزوی مسائلِ معیشت کی ہر گتھی سلجھائی جاسکتی ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اس کام کے لیے مرعوب و مغلوب دماغوں کے بجائے اسلامی و اجتہادی فکر رکھنے والے اہلِ علم درکار ہوں گے۔ ایسے سہل انگار حضرات اس کام کو انجام نہیں دے سکتے جو اسلام کے معاشی نظام کا مطالعہ کیے بغیر اور اسے سمجھے بغیر بیرونی افکار و نظریات کو درآمد کر کے ان کو مشرف بہ اسلام کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو تو ان کے ذہن و فکر کی مفلسی مرض تقلید و نقالی میں مبتلا کر دیتی ہے اور یہ بالآخر طرح طرح کی شعبدہ بازیوں پر اختتام پذیر ہوتی ہے۔ ایسے ہی ایک شعبدے اور شوشے کا نام "اسلامی سوشلزم" ہے۔ اگر ٹھنڈے دل و دماغ سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ "اسلامی کیپٹیل ازم" کی اصطلاح جتنی بے معنی اور احمقانہ ہو سکتی ہے اتنی ہی لغو و مہمل ترکیب "اسلامی سوشلزم" کی ہے۔ اسلام تو خود اپنی جگہ ایک الگ ضابطۂ معیشت تشکیل دیتا ہے، بھلا اس میں پیوندکاری یا اس کی پیوندکاری، کیسے اور کیونکر کی جاسکتی ہے؟ عقل و منطق کی رو سے تو یہ ممکن نہیں ہے، پھر اسلام کا جوڑ کیپٹیل ازم یا سوشلزم کے ساتھ چہ معنی دارد؟ ایسے لوگ اگر ذہنی غلامی کے خول سے نکل کر اسلام کے جامع و متوازن نظامِ معیشت کا بے لاگ مطالعہ کریں تو وہ خود اپنی طفلانہ حرکات پر شرمسار ہوں گے اور آئندہ کبھی اسلامی کیپٹیل ازم یا اسلامی سوشلزم کا نعرہ بلند نہ کریں گے۔

اسلام کا معاشی نظام ایک اور نقطۂ نظر سے بھی دوسرے نظاموں سے مختلف و منفرد ہے۔ اور وہ یہ کہ یہ نظام اپنی مکمل ترین شکل میں روئے زمین پر ایک عرصہ تک نافذ رہ چکا ہے۔ نہ صرف کامیابی کے ساتھ قائم ہوا تھا بلکہ اس نے دنیا میں زبردست انقلاب برپا کر دیا تھا۔ ایسا اصلاحی انقلاب جو نہ اس سے پہلے کبھی وجود میں آیا تھا اور نہ اس کے بعد آج تک دنیا نے دیکھا۔ دورِ نبویؐ، خلافتِ راشدہ اور خلافتِ عمر بن عبدالعزیزؒ اس انقلابی نظام کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں۔ تاریخ کے اس کامیاب ترین فلاحی دور

کا اعتراف تو غیر مسلم محققین بھی کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب اسلام کے اصولوں پر معاشی نظام تعمیر کیا گیا تو وہ سب سے زیادہ خوشحالی، سب سے زیادہ متوازن اور سب سے زیادہ فلاح و خیر کا موجب ثابت ہوا۔ وہ ماحول ایسا تھا کہ آسمان اپنی رحمتیں نازل کرتا تھا اور زمین اپنی برکتیں اگلتی تھی۔ اس نظام نے انسان کو انسان کی غلامی سے آزاد کیا، نسل، قوم اور طبقات کے تمام جھوٹے بتوں کو توڑ ڈالا، افلاس و غربت کو نیست و نابود کر دیا اور معاشی ظلم و ستم کو صفحہ ہستی سے مٹا کر ایک ایسا معاشرہ قائم کر دیا جس میں باہمی تعاون اور اخوت و محبت کے دلآویز اجالے پھیلے ہوئے تھے۔ نیکی کی تمام قوتیں فضا میں پھلنے اور پھولنے لگیں اور سماجی برائیاں ہوا میں تحلیل ہو گئیں۔ یہاں تک کہ اس نظام نے خوشحالی کو اتنا عام کر دیا کہ زکوٰۃ و صدقات دینے والے تو بہت تھے لیکن لینے والا تلاش کے باوجود نہ ملتا تھا۔

انسان و انسانیت کی طویل تاریخ میں صرف اسلام کا دور ہی وہ دور ہے جس میں عدل، انصاف اور فلاح و کامرانی کی جگمگاہٹ نظر آتی ہے۔ یہ نظام آج بھی اسی طرح اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ ایک بار پھر نافذ ہو سکتا ہے۔ ضرورت اصل میں صرف اُن اہلِ ایمان کی ہے جن کی خودی کو غلامی کے بوجھ نے کچل نہ ڈالا ہو اور جن کے ذہن اندھی تقلید و مرعوبیت کے مرض میں گرفتار نہ ہوں۔ جن کے دل اسلام کی حقانیت سے معمور ہوں اور جن کے سینوں میں یہ ولولہ بھی موجود ہو کہ وہ دنیا کے چھاتے ہوئے باطل نظاموں سے مصالحت کرنے کے بجائے، ان کے خلاف سینہ سپر ہو کر بغاوت کریں اور برسرِ حق نظام اسلامی کو روئے زمین پر نافذ و غالب کر دکھائیں۔

اس سلسلہ میں ایک اور اہم بات یہ ہے کہ نیک تمناؤں اور پُر خلوص عزائم کے ساتھ ساتھ یہ سمجھنا بھی بے حد ضروری ہے کہ اسلامی نظامِ معیشت کے مقرر کردہ حدود اربعہ میں رہتے ہوئے معاشرہ کی تشکیل جدید کس ترتیب سے کی جائے؟ اس کے لیے بہترین عملی اقدام و مراحل کیا ہونے چاہئیں؟ اپنے موجودہ حالات، مسائل اور ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامی اقتصادیات کے رہنما اصولوں کے تحت عصرِ حاضر میں نظامِ معیشت کی عملی صورت گری کی شکل کیا ہو؟ اصولوں کے انطباق کا یہ مسئلہ